سیرتِ نبوی ﷺ میں اعتدال پر مبنی شخصیت سازی کے تربیتی اصول: ایک تجزیاتی مطالعہ

Principles of Training for Personality Development Based on Moderation in The Biography of The Prophet (An Analytical Study)

Syed Hassan
MPhil Scholar, Department of Islamic Studies,
Superior University, Lahore
Email: syedhassan7155@gmail.com
Dr Hafiz M Mudassar Shafique (Corresponding Author)
Assistant Professor,
Chaudhry Abdul Khaliq Center for Contemporary Islamic Sciences (CAKCCIS),
Superior University, Lahore
Email: mudassaraarbi@gmail.com

Abstract
The Seerat-e-Nabvi (ﷺ) presents the best example of a balanced, comprehensive and sustainable development of the human personality, in which the intellectual, spiritual, moral, social and practical training of the individual is based on the principle of moderation. In the present era, the young generation is facing numerous challenges such as intellectual chaos, moral degradation, extremism, materialism and identity crisis, as a result of which the formation of a balanced personality has become an important educational and social necessity. In such circumstances, the Seerat-e-Nabvi (ﷺ) provides a practical model based on moderation, balance and comprehensive training that provides effective guidance for the all-round personality development of the youth.
The aim of this study is to analyze the training principles of personality development in the Seerat-e-Nabvi (ﷺ) that are based on moderation, balance and moderation, as well as to clarify the contemporary usefulness of these principles and their role in the intellectual, moral and social training of the youth. The research adopted a descriptive, analytical and inferential approach, while the Holy Quran, the Hadiths of the Prophet (peace be upon him), the books of biography and classical and contemporary academic literature were used as the main sources.The research has revealed that the concept of education in the biography of the Prophet (peace be upon him) establishes a complete balance between the physical, mental, spiritual, moral and social needs of a person. Qualities such as sincerity, moderation, perseverance, self-reflection, mercy, justice, consultation, good morals, responsibility and service to humanity are the

basic pillars of personality development, which the Prophet (peace be upon him) developed through his teachings and practical example. Moreover, the moderate-based prophetic education protects the individual from extremism, prejudice, intemperance and moral decline, making him a balanced, moral, responsible and effective citizen. The research recommends that educational institutions, universities, and training centers incorporate the principles of moderation based on the life of the Prophet (peace be upon him) into their curricula, teaching strategies, and character-building programs to produce a generation that can play a positive role at the national and global levels with academic insight, moral stability, and social responsibility.
Keywords: Personality development, Moderation, Biography of the Prophet, Principles, Training

سیرت النبی ﷺ انسانی تاریخ میں ایک ایسا کامل اور ہمہ جہت تربیتی نظام پیش کرتی ہے جس کی مثال کسی اور تہذیبی یا فکری روایت میں اس جامعیت اور توازن کے ساتھ نہیں ملتی۔ رسول اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ محض عبادات یا مذہبی تعلیمات تک محدود نہیں بلکہ ایک مکمل انسانی، اخلاقی، فکری اور سماجی تربیتی ماڈل ہے، جو فرد کی شخصیت سازی سے لے کر معاشرتی نظام کی تشکیل تک ہر پہلو کو محیط ہے۔ اس نظامِ تربیت کی سب سے نمایاں خصوصیت اعتدال، توازن اور میانہ روی ہے، جو انسانی زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی فراہم کرتی ہے۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا[1]

"اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک معتدل (درمیانی) امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ ہوں۔"

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو ایک ایسے معتدل اور متوازن طرزِ زندگی کی طرف رہنمائی دی ہے جو نہ افراط کا شکار ہو اور نہ تفریط کا۔ قرآن مجید میں امتِ مسلمہ کو "اُمَّۃً وَسَطًا" قرار دینا دراصل اسی اعتدالی مزاج کی عکاسی ہے، جو نہ صرف عبادات بلکہ فکر، عمل، معاشرت، سیاست اور اخلاقیات کے ہر دائرے میں توازن کو قائم رکھنے کا تقاضا کرتا ہے۔ سیرت النبی ﷺ اس قرآنی تصور کی عملی تعبیر ہے، جہاں ہر معاملے میں میانہ روی، حکمت اور توازن نمایاں نظر آتا ہے۔ اعتدال کا یہ تصور محض نظری یا اخلاقی تعلیم نہیں بلکہ ایک عملی تربیتی اصول ہے جس کے ذریعے رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے معاشرے کی تشکیل فرمائی جو شدت، تعصب، انتہاپسندی اور فکری انتشار سے پاک تھا۔ آپ ﷺ نے نہ صرف افراط و تفریط سے اجتناب کی تعلیم دی بلکہ عملی طور پر صحابہ کرامؓ کی ایسی

تربیت فرمائی جس میں عبادات میں توازن، معاملات میں انصاف، اختلاف میں برداشت اور قیادت میں حکمت نمایاں تھی۔ موجودہ دور میں جب نوجوان نسل شدت پسندی، فکری انتشار اور عدمِ توازن جیسے مسائل کا شکار ہے،

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّينِ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ الْغُلُوُّ فِي الدِّين [2]

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دین میں غلو (انتہا پسندی) سے بچو، کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو دین میں غلو ہی نے ہلاک کیا تھا۔"

سیرت النبی ﷺ کے تربیتی اصولوں کا مطالعہ مزید اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔ خصوصاً اعتدال کا تصور ایک ایسا بنیادی ستون ہے جو نوجوانوں کی فکری اصلاح، جذباتی توازن اور سماجی ہم آہنگی کے قیام میں کلیدی کردار ادا کر سکتا ہے۔ لہٰذا اس باب میں سیرت النبی ﷺ کے ان تربیتی اصولوں کا تجزیہ پیش کیا جائے گا جو اعتدال، توازن اور میانہ روی کے تصور کو واضح کرتے ہیں، اور یہ دیکھا جائے گا کہ کس طرح یہ اصول ایک معتدل، متوازن اور مثبت معاشرے کی تشکیل میں رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ اس ضمن میں خصوصاً امتِ وسط کی تشکیل اور افراط و تفریط سے اجتناب جیسے بنیادی پہلوؤں کا تفصیلی جائزہ لیا جائے گا، تاکہ موجودہ دور کے مسائل کے تناظر میں ان کی عملی اہمیت کو اجاگر کیا جا سکے۔

4.2.1 سیرت النبی ﷺ میں اعتدال (میانہ روی) کا بنیادی تصور

سیرت النبی ﷺ کا عمیق مطالعہ یہ حقیقت آشکار کرتا ہے کہ اسلامی تعلیمات کا بنیادی مزاج اعتدال، توازن اور میانہ روی پر قائم ہے۔ اسلام انسان کو زندگی کے کسی ایک پہلو میں شدت اختیار کرنے یا کسی دوسرے پہلو کو مکمل طور پر نظر انداز کرنے کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ ایک ایسا متوازن نظامِ حیات پیش کرتا ہے جو انسانی فطرت، روحانی تقاضوں، معاشرتی ضروریات اور عملی زندگی کے مطالبات کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ اسی اعتدالی فلسفے کی کامل ترین عملی تعبیر ہے۔ آپ ﷺ نے عبادات، معاملات، معاشرت، قیادت، دعوت اور تربیت سمیت زندگی کے ہر شعبے میں میانہ روی اور توازن کو اختیار فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ سیرت نبوی ﷺ نہ صرف فرد کی اصلاح کا ذریعہ ہے بلکہ ایک متوازن اور پر امن معاشرے کی تشکیل کی بنیاد بھی فراہم کرتی ہے۔ موجودہ دور میں جبکہ نوجوان فکری انتشار، مذہبی شدت پسندی، جذباتی انتہاپسندی اور سماجی عدمِ توازن جیسے مسائل کا سامنا کر رہے ہیں، سیرت النبی ﷺ کا اعتدالی تصور ان تمام چیلنجز کے حل کے لیے ایک مؤثر اور پائیدار رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا[3]

اور (رحمن کے بندے وہ ہیں) جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ ان کا طریقہ ان دونوں کے درمیان اعتدال کا ہوتا ہے۔"

یہ آیتِ مبارکہ اسلامی تصورِ اعتدال کی بنیادی اساس کو واضح کرتی ہے۔ اگرچہ آیت کا ظاہری تعلق مالی معاملات سے ہے، لیکن اس کے اندر ایک آفاقی اصول پوشیدہ ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر منطبق ہوتا ہے۔ اسراف اور بخل دو انتہائیں ہیں جبکہ اسلام ان دونوں کے درمیان ایک متوازن راستہ اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ یہی اصول عبادات، معاشرتی تعلقات، دعوت و تبلیغ، سیاسی معاملات اور فکری رویوں پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ چنانچہ اسلام کا مطلوب انسان وہ ہے جو ہر معاملے میں توازن اور اعتدال کو اختیار کرے۔ امام ابو حامد الغزالیؒ اعتدال کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تمام اخلاقی فضائل افراط اور تفریط کے درمیان ایک معتدل کیفیت کا نام ہیں۔[4]"

امام غزالیؒ کے اس قول سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی اخلاقیات کا پورا نظام اعتدال کے اصول پر استوار ہے۔ شجاعت بزدلی اور بے باکی کے درمیان، سخاوت بخل اور اسراف کے درمیان جبکہ حلم کمزوری اور شدت کے درمیان ایک معتدل کیفیت کا نام ہے۔ یہی اعتدالی فکر سیرت النبی ﷺ میں عملی شکل اختیار کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے دین میں غلو اور انتہا پسندی سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا:

إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّينِ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ الْغُلُوُّ فِي الدِّينِ[5]

"دین میں غلو سے بچو، کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو دین میں غلو ہی نے ہلاک کیا تھا۔"

اس حدیثِ مبارکہ میں رسول اکرم ﷺ نے غلو اور شدت پسندی کو سابقہ اقوام کی تباہی کا بنیادی سبب قرار دیا ہے۔ غلو درحقیقت اس ذہنی اور عملی کیفیت کا نام ہے جس میں انسان حدِ اعتدال سے تجاوز کر جاتا ہے۔ یہی تجاوز رفتہ رفتہ عدم برداشت، تعصب، تکفیر اور انتہاپسندی کو جنم دیتا ہے۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ نے دین کی صحیح تفہیم کے لیے اعتدال اور توازن کو لازمی قرار دیا۔ اس حدیث کی عملی تفسیر ہمیں ایک مشہور واقعۂ سیرت میں ملتی ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ چند صحابہ کرامؓ نے نبی کریم ﷺ کی عبادت کے بارے میں دریافت کیا۔ جب انہیں آپ ﷺ کی عبادت کا معمول بتایا گیا تو انہوں نے اسے اپنے لیے کم سمجھا۔ چنانچہ ایک نے کہا کہ وہ ہمیشہ رات بھر عبادت کرے گا، دوسرے نے کہا کہ وہ ہمیشہ روزے رکھے گا اور کبھی افطار نہیں کرے گا جبکہ تیسرے نے نکاح سے اجتناب کا ارادہ کیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا": اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں، لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا

ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں، اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، پس جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں۔"[6]

یہ واقعہ نبوی تصورِ اعتدال کی سب سے واضح مثالوں میں شمار ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو یہ تعلیم دی کہ عبادت میں بھی ایسا غلو پسندیدہ نہیں جو انسانی فطرت اور معاشرتی ذمہ داریوں کو متاثر کرے۔ اسلام کا مطلوب انسان وہ ہے جو عبادت، خاندانی زندگی، معاشرتی ذمہ داریوں اور ذاتی ضروریات کے درمیان توازن قائم رکھے۔ اس واقعے سے یہ اصول اخذ ہوتا ہے کہ فضیلت کا معیار شدت نہیں بلکہ اعتدال ہے۔ یہ رائے اس حقیقت کو اجاگر کرتی ہے کہ نبوی تربیت کا مقصد صرف عبادت گزار افراد پیدا کرنا نہیں تھا بلکہ ایسی متوازن شخصیات تیار کرنا تھا جو دین اور دنیا دونوں میدانوں میں کامیاب کردار ادا کر سکیں۔ مندرجہ بالا قرآنی نصوص، احادیث نبویہ، واقعاتِ سیرت اور علمی آراء کے تجزیے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اعتدال سیرت النبی ﷺ کا بنیادی تربیتی اصول ہے۔ یہ اعتدال انسان کو افراط و تفریط، شدت پسندی، تعصب اور فکری جمود سے محفوظ رکھتا ہے اور ایک ایسی متوازن شخصیت تشکیل دیتا ہے جو اپنی ذات، معاشرے اور ریاست کے لیے مثبت کردار ادا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ عصر حاضر میں نوجوانوں میں بڑھتے ہوئے شدت پسند رجحانات کے تناظر میں سیرت النبی ﷺ کا یہی اعتدالی ماڈل ایک مؤثر، جامع اور پائیدار حل کی حیثیت رکھتا ہے، جو نوجوانوں کو توازن، تحمل، حکمت اور مثبت طرزِ فکر کی طرف رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

امتِ وسط کی تشکیل: قرآنی تصور اور سیرتی بنیاد

سیرت النبی ﷺ کے تربیتی نظام کا بنیادی اور مرکزی ہدف ایک ایسی امت کی تشکیل تھا جو فکری، اخلاقی، روحانی اور سماجی اعتبار سے متوازن ہو اور جس کی شناخت اعتدال، انصاف اور میانہ روی سے ہو۔ قرآن مجید نے اس امت کو "أُمَّةً وَسَطًا" قرار دے کر اس کی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریوں کا تعین کر دیا ہے۔ امتِ وسط کا تصور محض ایک مذہبی اصطلاح نہیں بلکہ ایک جامع فکری و تہذیبی فلسفہ ہے جو انسان کو ہر قسم کے افراط و تفریط سے محفوظ رکھتے ہوئے ایک متوازن طرزِ زندگی اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنی دعوت، تعلیم اور تربیت کے ذریعے ایک ایسی جماعت تیار کی جو نہ فکری انتہاپسندی کا شکار تھی، نہ اخلاقی انحطاط کا اور نہ ہی معاشرتی انتشار کا، بلکہ اعتدال، عدل اور توازن کی عملی تصویر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ سیرت نبوی ﷺ میں امتِ وسط کی تشکیل کو ایک بنیادی تربیتی ہدف کی حیثیت حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا[7]

"اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک معتدل (درمیانی) امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ ہوں۔"

یہ آیتِ مبارکہ امتِ مسلمہ کے مزاج، کردار اور مقصدِ وجود کو بیان کرتی ہے۔ لفظ "وسط" عربی زبان میں عدل، توازن، اعتدال، شرافت اور بہترین حیثیت کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے امتِ وسط سے مراد صرف درمیانی امت نہیں بلکہ ایسی امت ہے جو عدل و انصاف کی حامل ہو اور ہر معاملے میں توازن اختیار کرے۔ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس لیے امتِ وسط قرار دیا تاکہ وہ دنیا کے سامنے اعتدال، انصاف اور حق پسندی کا عملی نمونہ بن سکیں۔ امام ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وسط سے مراد عدل اور بہترین امت ہے، جو تمام امتوں کے مقابلے میں زیادہ متوازن اور معتدل ہے۔[8]"

یہ آیت اس حقیقت کو بھی واضح کرتی ہے کہ امتِ مسلمہ کی ذمہ داری صرف اپنی اصلاح تک محدود نہیں بلکہ اسے پوری انسانیت کے لیے معیار اور نمونہ بننا ہے۔ یہ منصب اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب امت کے افراد فکری توازن، اخلاقی اعتدال اور عملی بصیرت کے حامل ہوں۔ اگر امت خود تعصب، انتہاپسندی اور عدم برداشت کا شکار ہو جائے تو وہ اپنی اس عالمی ذمہ داری کو ادا نہیں کر سکتی۔ لہٰذا امتِ وسط کا تصور دراصل ایک متوازن انسانی تہذیب کی تشکیل کا تصور ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ[9]

"بے شک دین آسان ہے۔"

اس حدیثِ مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ نے اسلامی شریعت کے بنیادی مزاج کو بیان فرمایا ہے۔ دین کی آسانی کا مطلب یہ نہیں کہ احکامِ شریعت کی اہمیت کم کر دی جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام انسانی فطرت، انسانی استعداد اور انسانی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے احکام دیتا ہے۔ اسلام نہ غیر فطری سختی کو پسند کرتا ہے اور نہ ہی بے راہ روی کو، بلکہ دونوں کے درمیان اعتدال کا راستہ اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ حدیث امتِ وسط کے تصور کی بہترین ترجمانی کرتی ہے، کیونکہ آسانی، توازن اور اعتدال ہی اس امت کی بنیادی خصوصیات ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ ایسے طرزِ عمل کی حوصلہ افزائی فرمائی جو انسان کو مشقت، شدت اور غیر ضروری سختی سے محفوظ رکھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے دین کو رحمت، آسانی اور حکمت کے ساتھ پیش کیا اور اپنے پیروکاروں کو بھی یہی تعلیم دی۔ معاصر عالم یوسف القرضاوی لکھتے ہیں:

"اسلام کی سب سے نمایاں خصوصیت وسطیت ہے، کیونکہ یہ دین ہر قسم کی انتہاؤں کے درمیان اعتدال اور توازن کا راستہ اختیار کرتا ہے۔[10]

امتِ وسط کی تشکیل کا سب سے نمایاں عملی نمونہ مدینہ منورہ میں قائم ہونے والا اسلامی معاشرہ ہے۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں مختلف قبائل، مذاہب اور ثقافتی پس منظر رکھنے والے لوگ آباد تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سب کو ایک منظم معاشرتی معاہدے کے تحت جمع کیا جو تاریخ میں "میثاقِ مدینہ" کے نام سے معروف ہے۔ اس معاہدے نے مختلف گروہوں کو ایک مشترکہ نظم میں پرو دیا اور باہمی حقوق و فرائض کا تعین کیا۔ یہ اقدام اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ امتِ وسط کا تصور صرف انفرادی عبادات تک محدود نہیں بلکہ اجتماعی زندگی، ریاستی نظم، بین المذاہب تعلقات اور سماجی ہم آہنگی تک پھیلا ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اختلافات کے باوجود مختلف طبقات کو ساتھ لے کر چلنے کا جو عملی نمونہ پیش کیا، وہ اعتدال اور توازن کی بہترین مثال ہے۔ امام ابو حامد الغزالیؒ لکھتے ہیں: فضیلت افراط اور تفریط کے درمیان معتدل کیفیت کا نام ہے، اور یہی اعتدال انسانی کمال کی بنیاد ہے۔ [11]"

امتِ وسط کا تصور درحقیقت سیرت النبی ﷺ کے پورے تربیتی نظام کی روح ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسے افراد تیار کیے جو نہ صرف عبادت گزار تھے بلکہ صاحبِ بصیرت، صاحبِ کردار، صاحبِ علم اور صاحبِ ذمہ داری بھی تھے۔ آپ ﷺ نے ایک ایسی نسل تیار کی جو فکری اعتدال، اخلاقی توازن، سماجی ہم آہنگی اور عملی حکمت کی حامل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرامؓ نے دنیا کے مختلف معاشروں میں اسلام کو تلوار سے زیادہ اپنے کردار، عدل اور اعتدال کے ذریعے متعارف کرایا۔ موجودہ دور میں نوجوانوں میں شدت پسندی، فکری انتشار، عدم برداشت اور جذباتی انتہاپسندی کے بڑھتے ہوئے رجحانات کے تناظر میں امتِ وسط کا قرآنی و نبوی تصور غیر معمولی اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔ یہ تصور نوجوانوں کو تعصب، غلو اور انتہاپسندی سے نکال کر توازن، تحمل، حکمت، رواداری اور مثبت کردار کی طرف رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ امتِ وسط کی تشکیل سیرت النبی ﷺ کا بنیادی تربیتی ہدف اور عصرِ حاضر کے فکری و سماجی بحرانوں کا ایک مؤثر حل ہے۔ مکی دور میں رسول اللہ ﷺ نے تیرہ سال تک بنیادی طور پر افراد کی تربیت پر توجہ دی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کی شخصیات اسی تربیتی عمل کا نتیجہ تھیں۔ آپ ﷺ نے ان کے عقائد کو درست کیا، ان کے اخلاق کو سنوارا، ان میں احساسِ ذمہ داری پیدا کیا اور انہیں اجتماعی خدمت کا شعور عطا فرمایا۔ یہی افراد بعد میں اسلامی معاشرے کے ستون بنے اور انہوں نے دنیا کی تاریخ میں عدل، اعتدال اور خدمتِ انسانیت کی بے مثال مثالیں قائم کیں۔ [12] یہ واقعہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معاشرے کی اصلاح کا آغاز نظاموں کی تبدیلی سے نہیں بلکہ افراد کی تعمیر سے کیا۔ آپ ﷺ جانتے تھے کہ اگر افراد کے اندر ایمان، اخلاق اور ذمہ داری کا شعور

پیدا ہو جائے تو وہ خود ایک صالح معاشرے کی تشکیل کر لیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ نبوی تربیت میں فرد اور معاشرہ ایک دوسرے سے جدا نہیں بلکہ باہم مربوط عناصر ہیں۔ معاصر مفکر یوسف القرضاوی لکھتے ہیں:

"اسلام فرد کو معاشرے سے الگ نہیں دیکھتا بلکہ فرد کی اصلاح کو اجتماعی اصلاح کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔[13]"

اسی طرح محمد سعید رمضان البوطی لکھتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے انسان کے باطن کو بدلا، پھر اسی تبدیلی نے ایک نئی تہذیب اور نئی امت کو جنم دیا۔[14]"

رواداری اور برداشت کا نبوی اصول

1. اختلافِ رائے کا احترام

سیرت النبی ﷺ میں "اختلافِ رائے" کو محض ایک ناگزیر سماجی حقیقت کے طور پر قبول نہیں کیا گیا بلکہ اسے ایک مثبت اور تعمیری عنصر کے طور پر منظم کیا گیا ہے، جو معاشرتی توازن، فکری وسعت اور علمی ارتقاء کا ذریعہ بنتا ہے۔ انسانی معاشرہ فطری طور پر تنوع پر قائم ہے، جہاں افکار، آراء، مزاج اور ترجیحات میں اختلاف پایا جانا ایک طبعی امر ہے۔ سیرت النبی ﷺ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اس اختلاف کو تصادم میں تبدیل ہونے سے روکا اور اسے ایک منظم، مہذب اور اخلاقی دائرے میں رکھا، جہاں احترام، دلیل اور برداشت بنیادی اصول بن گئے۔

قرآنِ مجید نے اختلاف کے باوجود اخلاقی توازن برقرار رکھنے کی واضح ہدایت دی ہے، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے

"وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ[15]"

یعنی" :اور ان سے ایسے انداز میں گفتگو کریں جو بہترین ہو۔"

یہ آیت اس اصول کو واضح کرتی ہے کہ اختلاف کی صورت میں بھی اسلوبِ گفتگو، اخلاق اور طرزِ عمل ایسا ہونا چاہیے جو تصادم کو کم کرے اور فہم وادراک کو بڑھائے۔ سیرت النبی ﷺ اسی قرآنی ہدایت کی عملی تصویر ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں ہمیں متعدد ایسے واقعات ملتے ہیں جہاں مختلف آراء کو نہ صرف سنا گیا بلکہ ان کی گنجائش بھی رکھی گئی۔ مثال کے طور پر جنگی حکمتِ عملی، معاشرتی معاملات اور حتیٰ کہ بعض دینی فہم میں بھی صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلاف پایا جاتا تھا، لیکن آپ ﷺ نے اسے دبانے یا ختم کرنے کے بجائے ایک مہذب دائرے میں رہتے ہوئے اسے برداشت کیا اور بسا اوقات اس سے فائدہ بھی اٹھایا۔ یہ طرزِ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام میں اختلاف کو ختم کرنا مقصود نہیں بلکہ اسے اخلاقی اصولوں کے تحت منظم کرنا مقصود ہے۔ اسی طرح سیرت النبی ﷺ میں یہ بھی نظر آتا ہے کہ آپ ﷺ نے اختلاف کو ذاتی انا، تعصب یا دشمنی میں تبدیل نہیں

ہونے دیا۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا کہ اختلاف کے باوجود دلوں میں کدورت پیدا نہ ہو، اور تعلقات متاثر نہ ہوں۔ یہ وہ اصول ہے جو آج کے معاشروں میں شدید طور پر مفقود نظر آتا ہے، جہاں معمولی فکری اختلاف بھی شدت پسندی اور نفرت میں بدل جاتا ہے۔ مزید بر آں، اختلافِ رائے کے احترام کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ انسان اپنی رائے کو حتمی اور ناقابلِ خطا نہ سمجھے۔ سیرت النبی ﷺ میں ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ حق کی تلاش ایک مسلسل عمل ہے، اور اس میں مختلف آراء کا ہونا فطری ہے۔ یہی رویہ انسان کے اندر علمی انکسار (intellectual humility) پیدا کرتا ہے، جو اسے شدت پسندی سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس کے برعکس جب انسان اپنی رائے کو قطعی اور آخری سمجھنے لگتا ہے تو وہ فکری جمود اور انتہا پسندی کا شکار ہو جاتا ہے۔ نفسیاتی اعتبار سے بھی اختلافِ رائے کو برداشت کرنا انسان کے ذہنی توازن کی علامت ہے۔ جو فرد مختلف آراء کو سن سکتا ہے، انہیں سمجھ سکتا ہے اور ان کے ساتھ جینے کی صلاحیت رکھتا ہے، وہ زیادہ متوازن، باشعور اور پختہ شخصیت کا حامل ہوتا ہے۔ سیرت النبی ﷺ اسی نفسیاتی توازن کی تعلیم دیتی ہے، جہاں انسان نہ صرف اپنی رائے رکھتا ہے بلکہ دوسروں کی رائے کو بھی جگہ دیتا ہے۔

سماجی سطح پر دیکھا جائے تو اختلافِ رائے کا احترام ایک پر امن اور مستحکم معاشرے کی بنیاد ہے۔ جب معاشرے میں مختلف آراء کو برداشت کیا جاتا ہے تو وہاں فکری ارتقاء، علمی ترقی اور اجتماعی ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جب اختلاف کو دبایا جاتا ہے یا اسے دشمنی میں تبدیل کر دیا جاتا ہے تو معاشرہ تقسیم، تصادم اور عدم استحکام کا شکار ہو جاتا ہے۔ سیرت النبی ﷺ ایک ایسے معاشرتی ماڈل کی نمائندگی کرتی ہے جہاں اختلاف کے باوجود اتحاد برقرار رہتا ہے، اور یہی اصل اعتدال ہے۔ آخر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ سیرت النبی ﷺ میں اختلافِ رائے کا احترام محض ایک اخلاقی ہدایت نہیں بلکہ ایک مکمل تربیتی اور فکری اصول ہے، جو انسان کو وسعتِ نظر، علمی پختگی اور نفسیاتی توازن عطا کرتا ہے۔ یہ اصول شدت پسندی کے سدِّباب میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے، کیونکہ یہ انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ ہر اختلاف دشمنی نہیں ہوتا بلکہ ایک موقع ہوتا ہے سیکھنے، سمجھنے اور بہتر ہونے کا۔

رواداری اور برداشت کا نبوی اصول

2. عفوودرگزر کی مثالیں

سیرت النبی ﷺ میں "عفوودرگزر" محض ایک اخلاقی خوبی نہیں بلکہ ایک شعوری، تربیتی اور سماجی حکمتِ عملی کے طور پر سامنے آتا ہے، جو نہ صرف فرد کی شخصیت کو بلند کرتا ہے بلکہ معاشرے میں امن، ہم آہنگی اور اعتماد کی فضا قائم کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں ہمیں بارہا ایسے مواقع ملتے ہیں جہاں شدید ترین مخالفت،

ذاتی اذیت اور اجتماعی ظلم کے باوجود آپ ﷺ نے انتقام کے بجائے معافی، برداشت اور اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ فرمایا۔ یہ طرزِ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام کا اصل پیغام تصادم نہیں بلکہ اصلاح، رحمت اور توازن ہے۔

قرآنِ مجید نے بھی عفو و درگزر کو اعلیٰ اخلاقی مقام عطا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا[16] "

یعنی": انہیں چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔"

یہ آیت اس اصول کو واضح کرتی ہے کہ حقیقی اخلاقی بلندی انتقام میں نہیں بلکہ معافی میں ہے، اور یہی وہ اصول ہے جو سیرت النبی ﷺ میں اپنی کامل ترین شکل میں نظر آتا ہے۔

سیرت کا سب سے نمایاں واقعہ **فتح مکہ** ہے، جو عفو و درگزر کی اعلیٰ ترین مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو شدید اذیتیں دیں، انہیں مکہ سے نکالا، جنگیں مسلط کیں اور ہر ممکن ظلم کیا—جب وہی لوگ آپ ﷺ کے سامنے مغلوب ہو کر کھڑے تھے، تو اس وقت بدلہ لینے کا مکمل موقع موجود تھا۔ لیکن اس کے برعکس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ[17]"

آج تم پر کوئی گرفت نہیں

یہ اعلان صرف ایک معافی نہیں بلکہ ایک عظیم اخلاقی انقلاب تھا، جس نے دشمنی کو محبت میں اور نفرت کو وفاداری میں تبدیل کر دیا۔ یہی وہ نقطہ ہے جہاں سیرت النبی ﷺ شدت پسندی کے برعکس ایک مثبت اور تعمیری ماڈل پیش کرتی ہے۔ اسی طرح **طائف کا واقعہ** بھی عفو و درگزر کی ایک نہایت مؤثر مثال ہے۔ جب اہلِ طائف نے رسول اللہ ﷺ کو نہایت اذیت پہنچائی، پتھر مارے اور آپ ﷺ کو زخمی کر دیا، تو اس موقع پر جب فرشتۂ پہاڑوں نے پیشکش کی کہ اگر آپ چاہیں تو ان پر پہاڑ گرا دیے جائیں، تو آپ ﷺ نے اس کے بجائے دعا فرمائی ": اے اللہ! انہیں ہدایت دے، یہ نہیں جانتے"

یہ طرزِ عمل اس بات کی اعلیٰ ترین مثال ہے کہ سیرت النبی ﷺ میں بدلہ لینے کے بجائے اصلاح اور خیر خواہی کو ترجیح دی گئی۔ مزید برآں، سیرت النبی ﷺ میں ہمیں روزمرہ زندگی کے چھوٹے چھوٹے واقعات میں بھی عفو و درگزر کا اصول نظر آتا ہے۔ چاہے وہ کسی بدو کا سخت رویہ ہو، یا کسی منافق کی بدزبانی، یا کسی شخص کی ذاتی گستاخی—ہر موقع پر رسول اللہ ﷺ نے برداشت، حلم اور معافی کا مظاہرہ فرمایا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عفو و درگزر کوئی وقتی یا جذباتی ردعمل نہیں بلکہ ایک مستقل اخلاقی رویہ تھا۔ نفسیاتی اعتبار سے دیکھا جائے تو عفو و درگزر

انسان کے اندرونی سکون، جذباتی توازن اور ذہنی استحکام کا ذریعہ بنتا ہے۔ انتقام کا جذبہ انسان کو مسلسل اضطراب، غصہ اور بے چینی میں مبتلا رکھتا ہے، جبکہ معافی انسان کو داخلی سکون اور نفسیاتی آزادی عطا کرتی ہے۔ سیرت النبی ﷺ اسی نفسیاتی حقیقت کو عملی شکل میں پیش کرتی ہے، جہاں انسان کو منفی جذبات سے نکال کر مثبت رویوں کی طرف لے جایا جاتا ہے۔ سماجی سطح پر عفو و درگزر کا اصول معاشرتی ہم آہنگی، اعتماد اور اتحاد کو فروغ دیتا ہے۔ جب معاشرے میں لوگ ایک دوسرے کی غلطیوں کو معاف کرنا سیکھ جاتے ہیں تو وہاں نفرت، انتقام اور تصادم کی فضا کم ہو جاتی ہے، اور اس کی جگہ تعاون، محبت اور احترام لے لیتے ہیں۔ یہی وہ اصول ہے جو ایک مستحکم اور پرامن معاشرے کی بنیاد رکھتا ہے۔ مزید یہ کہ عفو و درگزر شدت پسندی کے سدِّباب میں ایک بنیادی کردار ادا کرتا ہے، کیونکہ شدت پسندی اکثر ردعمل، غصے اور انتقامی ذہنیت کا نتیجہ ہوتی ہے۔ جب انسان معاف کرنا سیکھ لیتا ہے تو وہ اس منفی دائرے سے نکل آتا ہے جو اسے انتہاپسندی کی طرف لے جاتا ہے۔ سیرت النبی ﷺ اسی لیے ایک ایسا متوازن ماڈل پیش کرتی ہے جو انسان کو جذباتی شدت کے بجائے اخلاقی بلندی کی طرف لے جاتا ہے۔ آخر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ سیرت النبی ﷺ میں عفو و درگزر کا اصول ایک ہمہ گیر تربیتی نظام کا حصہ ہے، جو فرد کو اخلاقی عظمت، نفسیاتی سکون اور فکری توازن عطا کرتا ہے، جبکہ معاشرے کو امن، اتحاد اور استحکام فراہم کرتا ہے۔ یہی وہ اصول ہے جو موجودہ دور میں شدت پسندی اور عدم برداشت جیسے مسائل کے حل کے لیے ایک مؤثر اور دیرپا بنیاد فراہم کرتا ہے۔

حکمت اور تدریج کا تربیتی اسلوب

سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ اس حقیقت کو نہایت وضاحت کے ساتھ آشکار کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت، اصلاح اور تربیت کا پورا نظام "حکمت" اور "تدریج" کے اصولوں پر قائم تھا۔ آپ ﷺ نے انسانی فطرت، نفسیات، سماجی حالات اور فکری استعداد کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسا متوازن تربیتی منہج اختیار فرمایا جس نے نہ صرف ایک منتشر اور متشدد معاشرے کو امن، اعتدال اور اخلاقی استحکام عطا کیا بلکہ ایک ایسی نسل تیار کی جو فکری پختگی، روحانی توازن اور سماجی شعور کی حامل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ سیرت النبی ﷺ محض مذہبی تعلیمات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک مکمل تربیتی، نفسیاتی اور سماجی نظام کی حیثیت رکھتی ہے۔ قرآن مجید نے دعوتِ دین کے بنیادی اصول کو "حکمت" کے ساتھ وابستہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

[18] "اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ"

"اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دیجیے۔"

یہ آیت اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ اسلام میں اصلاح اور دعوت کا عمل جبر، شدت یا جذباتی ردِ عمل کے بجائے حکمت، بصیرت اور تدریجی تربیت پر قائم ہے۔ موجودہ دور میں جب شدت پسندی، فکری انتہا پسندی اور عدم برداشت کے رجحانات بڑھ رہے ہیں، تو سیرت النبی ﷺ کا یہ پہلو غیر معمولی اہمیت اختیار کر جاتا ہے، کیونکہ یہی اصول انسان کو جذباتی شدت کے بجائے فکری توازن اور حکمت کی طرف لے جاتے ہیں۔

1. حکمت کا نبوی تصور اور اس کی فکری بنیاد

سیرت النبی ﷺ میں "حکمت" محض دانائی یا ذہانت کا نام نہیں بلکہ یہ ایک جامع تربیتی بصیرت ہے، جس کے ذریعے انسان کے مزاج، حالات، نفسیات اور فکری استعداد کو سمجھ کر اس کے مطابق اصلاح کی جاتی ہے۔ امام ابنِ قیمؒ نے اپنی معروف کتاب مدارج السالکین میں حکمت کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے

"الحكمة فعل ما ينبغي على الوجه الذي ينبغي في الوقت الذي ينبغي"[19]

حکمت یہ ہے کہ کسی کام کو اس طریقے سے انجام دیا جائے جو مناسب ہو، اس وقت انجام دیا جائے جب وہ مناسب ہو، اور اس انداز سے کیا جائے جو درست ہو۔"

یہ تعریف دراصل سیرت النبی ﷺ کے تربیتی منہج کی مکمل عکاسی کرتی ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے ہر فرد کے ساتھ اس کے مزاج، ذہنی سطح اور حالات کے مطابق معاملہ فرمایا۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی اپنی کتاب الصحوۃ الإسلامیۃ بین الجحود والتطرف میں لکھتے ہیں کہ شدت پسندی کی ایک بڑی وجہ "فقدانِ حکمت" ہے، کیونکہ جب دین کو انسانی فطرت، حالات اور تدریج سے کاٹ کر محض جذباتی شدت کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے تو انسان اعتدال کے بجائے انتہا پسندی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔[20] اسی طرح مولانا ابو الحسن علی ندویؒ نے السیرۃ النبویۃ میں یہ واضح کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آپ ﷺ نے معاشرے کی اصلاح "انقلابی شدت" کے بجائے "حکیمانہ تدریج" کے ذریعے کی، جس نے انسانی نفسیات کو توڑے بغیر اسے تبدیل کیا۔[21]

2. تدریج کا اصول اور انسانی نفسیات

سیرت النبی ﷺ میں تدریج کا اصول ایک نہایت بنیادی تربیتی حکمت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اسلام نے اصلاحِ معاشرہ کے عمل کو یکدم نافذ نہیں کیا بلکہ انسانی ذہن، معاشرتی ماحول اور نفسیاتی کیفیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اسے مرحلہ وار مکمل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید کی تعلیمات بھی تدریجی انداز میں نازل ہوئیں۔ اس کی سب سے نمایاں مثال "شراب کی حرمت" ہے۔ عرب معاشرہ شراب نوشی کا عادی تھا، اگر اسلام ابتدا ہی میں مکمل پابندی لگا دیتا تو معاشرے میں شدید ردِ عمل پیدا ہو سکتا تھا۔ چنانچہ قرآن نے پہلے شراب کے نقصانات بیان کیے، پھر

نماز کے وقت اس سے روکا، اور آخر میں مکمل حرمت کا حکم نازل ہوا۔ یہ تدریجی حکمت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سیرت النبی ﷺ انسانی نفسیات کو سمجھے بغیر اصلاح کا عمل شروع نہیں کرتی، بلکہ انسان کو آہستہ آہستہ اس مقام تک لے جاتی ہے جہاں وہ خود تبدیلی کو قبول کر لیتا ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ اپنی کتاب The Life and Work of the Prophet of Islam میں لکھتے ہیں:

"The Prophet transformed society gradually, ensuring that reform became part of human consciousness rather than an imposed burden."[22]

یعنی رسول اللہ ﷺ نے معاشرتی اصلاح اس انداز میں کی کہ تبدیلی انسانی شعور کا حصہ بن گئی، محض ایک مسلط کردہ حکم نہیں رہی۔

3. نوجوانوں کی تربیت میں حکمت کا نبوی اسلوب

سیرت النبی ﷺ میں نوجوانوں کی تربیت ایک نہایت حکیمانہ، نرم اور نفسیاتی توازن پر مبنی انداز میں کی گئی۔ آپ ﷺ نے نوجوانوں کے جذبات، جوش اور نفسیاتی حساسیت کو سمجھتے ہوئے ان کی اصلاح فرمائی۔ اس کی ایک عظیم مثال وہ نوجوان ہے جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور زنا کی اجازت طلب کی۔ صحابہؓ شدید غصے میں آ گئے، مگر رسول اللہ ﷺ نے نہایت سکون اور حکمت سے اس نوجوان کو اپنے قریب بٹھایا اور فرمایا:

"کیا تم یہ اپنی ماں، بہن یا بیٹی کے لیے پسند کرو گے؟"

نوجوان نے عرض کیا: "ہرگز نہیں۔"

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

"لوگ بھی اپنی عورتوں کے لیے یہ پسند نہیں کرتے۔"[23]

اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کے لیے دعا فرمائی۔ روایت میں آتا ہے کہ اس کے بعد وہ نوجوان اس گناہ کی طرف کبھی مائل نہ ہوا۔ یہ واقعہ اس بات کی واضح مثال ہے کہ سیرت النبی ﷺ میں اصلاح کا طریقہ تحقیر، سختی یا جبر نہیں بلکہ نفسیاتی حکمت، مکالمہ اور اخلاقی شعور ہے۔

4. حکمت اور نرمی: شدت پسندی کی ضد

سیرت النبی ﷺ میں "نرمی" کو اصلاح اور تربیت کا بنیادی ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ"[24]

ترجمہ: "نرمی جس چیز میں بھی ہوتی ہے اسے خوبصورت بنا دیتی ہے۔"

یہ حدیث دراصل اس اصول کو واضح کرتی ہے کہ سختی اور شدت انسان کو وقتی طور پر خوفزدہ تو کر سکتی ہے، مگر اس کے دل اور فکر کو تبدیل نہیں کر سکتی۔ اس کے برعکس نرمی، محبت اور حکمت انسان کے اندر دیرپا تبدیلی پیدا کرتی ہے۔

5. حکمتِ نبوی اور موجودہ دور میں شدت پسندی کا تدارک

موجودہ دور میں شدت پسندی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ تربیت کے عمل سے "حکمت"، "تدریج" اور "نفسیاتی فہم" ختم ہو گئی ہے۔ نوجوانوں کو جذباتی نعروں، سخت تعبیرات اور فوری ردعمل کی طرف مائل کیا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ توازن کھو بیٹھتے ہیں۔ سیرت النبی ﷺ اس کے برعکس ایک ایسا تربیتی ماڈل پیش کرتی ہے جو نوجوان کو سوچنے، سمجھنے، برداشت کرنے اور تدریجی اصلاح کی طرف لے جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبوی منہج شدت پسندی کے خاتمے کے لیے ایک مؤثر، متوازن اور دیرپا حل فراہم کرتا ہے۔ سیرتُ النبی ﷺ میں حکمت اور تدریج کا تربیتی اسلوب ایک ایسا جامع، متوازن اور فطری نظام ہے جو انسان کی نفسیات، فکری استعداد اور سماجی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اصلاح کا عمل انجام دیتا ہے۔ یہ منہج شدت، جبر اور جذباتی انتہاپسندی کے بجائے نرمی، بصیرت اور تدریجی تبدیلی پر قائم ہے۔ موجودہ دور میں جب نوجوان نسل فکری انتشار اور شدت پسندی کا شکار ہو رہی ہے، تو سیرت النبی ﷺ کا یہی حکیمانہ اور متوازن تربیتی ماڈل ان مسائل کے حل کے لیے سب سے مؤثر بنیاد فراہم کرتا ہے۔

نرمی اور تدریجی اصلاح 1;

سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ اس حقیقت کو نہایت واضح انداز میں سامنے لاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت، اصلاح اور تربیت کا پورا نظام سختی، جبر اور فوری تبدیلی کے بجائے "نرمی" (رفق) اور "تدریجی اصلاح" (Gradual Reform) کے اصولوں پر قائم تھا۔ آپ ﷺ نے انسانی نفسیات، فکری استعداد، معاشرتی ماحول اور جذباتی کیفیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسا متوازن تربیتی منہج اختیار فرمایا جس نے انسانوں کے دلوں کو بدلا، ان کی فکر کو وسعت دی اور ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا جو اعتدال، برداشت اور اخلاقی توازن کا مظہر بن گیا۔ یہی وجہ ہے کہ سیرت النبی ﷺ میں اصلاح کا عمل محض احکامات کے نفاذ تک محدود نہیں بلکہ ایک گہرا نفسیاتی، فکری اور روحانی تربیتی عمل ہے۔ قرآنِ مجید میں رسول اللہ ﷺ کی اسی صفتِ نرمی کو بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ" [25]

"یہ اللہ کی رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے نرم مزاج واقع ہوئے، اور اگر آپ سخت دل اور تندخو ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔"

یہ آیت اس حقیقت کو نمایاں کرتی ہے کہ دعوت، اصلاح اور تربیت میں نرمی محض اخلاقی خوبی نہیں بلکہ کامیاب تبدیلی کی بنیادی شرط ہے۔ یہی وہ اصول ہے جو شدت پسندی، سخت گیری اور انتہاپسندانہ رویوں کی نفی کرتا ہے۔

.1 نرمی (رفق) کا نبوی تصور اور اس کی تربیتی اہمیت

سیرت النبی ﷺ میں "رفق" یا نرمی کو انسانی تعلقات، دعوت، تعلیم اور اصلاح کا بنیادی اصول قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ [26]

"بے شک اللہ نرم ہے اور نرمی کو پسند فرماتا ہے۔"

یہ حدیث اس بات کو واضح کرتی ہے کہ نرمی محض سماجی ضرورت نہیں بلکہ ایک الٰہی صفت کے قریب تر رویہ ہے۔ سیرت النبی ﷺ میں یہ حقیقت نمایاں ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی لوگوں کی اصلاح تحقیر، تشدد یا جذباتی سختی کے ذریعے نہیں کی بلکہ محبت، خیر خواہی اور حکمت کے ذریعے دلوں کو فتح کیا۔ امام غزالیؒ احیاء علوم الدین میں لکھتے ہیں کہ سختی وقتی اطاعت تو پیدا کر سکتی ہے مگر قلبی تبدیلی پیدا نہیں کر سکتی، جبکہ نرمی انسان کے باطن کو متاثر کرتی ہے اور اس کے اندر مستقل اصلاح کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ یہی اصول سیرت النبی ﷺ میں پوری طرح نمایاں ہے۔

تدریجی اصلاح کا نبوی منہج

رسول اللہ ﷺ کی تربیت کا ایک عظیم اصول "تدریج" تھا۔ آپ ﷺ نے معاشرتی، اخلاقی اور فکری اصلاح کو ایک تدریجی عمل کے طور پر اپنایا، کیونکہ انسانی ذہن اور معاشرہ فوری انقلابی تبدیلی کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اسلام کی ابتدائی دعوت میں سب سے پہلے عقیدہ، اخلاق اور انسانی کردار پر توجہ دی گئی، جبکہ بہت سے عملی احکام بعد میں نازل ہوئے۔ اس تدریجی نظام نے انسانوں کو ذہنی اور روحانی طور پر اس قابل بنایا کہ وہ احکامِ الٰہی کو خوش دلی سے قبول کریں۔ شراب کی حرمت اس کی سب سے بڑی مثال ہے۔ عرب معاشرہ شراب کا عادی تھا، لیکن اسلام نے ابتدا ہی میں مکمل پابندی نہیں لگائی بلکہ تدریجی انداز اختیار کیا۔ پہلے شراب کے نقصان کی طرف توجہ دلائی گئی:

فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ " [27]

"ان دونوں میں بڑا گناہ ہے۔"

پھر نماز کے وقت اس سے روکا گیا، اور آخر میں مکمل حرمت نازل ہوئی۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سیرت النبی ﷺ انسانی نفسیات کو سمجھے بغیر اصلاح نہیں کرتی بلکہ آہستہ آہستہ انسان کے اندر تبدیلی پیدا کرتی

ہے۔ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی دعوت و تربیت کا بنیادی منہج یہ تھا کہ آپ ﷺ نے افراد اور معاشرے کی اصلاح حکمت، تدریج اور تربیت کے ذریعے کی۔ آپ ﷺ نے انسانی فطرت کو ملحوظ رکھتے ہوئے فکری و اخلاقی تبدیلی پیدا کی، نہ کہ جبر یا جذباتی شدت کے ذریعے۔[28]

.3نرمی اور تدریجی اصلاح کا نفسیاتی پہلو

سیرت النبی ﷺ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انسانی نفسیات کو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے۔ آپ ﷺ جانتے تھے کہ انسان کو سختی سے دبایا جا سکتا ہے مگر اس کے دل کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لیے آپ ﷺ نے لوگوں کی کمزوریوں، جذبات اور ذہنی کیفیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اصلاح فرمائی۔ اس کی سب سے خوبصورت مثال وہ بدو ہے جس نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ صحابہؓ غصے میں آ گئے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے انہیں روک دیا اور نرمی سے اس بدو کو سمجھایا۔ اس کے بعد اس شخص نے دعا کی: "اے اللہ! مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحم فرما۔"[29] یہ واقعہ اس حقیقت کی واضح مثال ہے کہ نرمی دلوں میں نفرت نہیں بلکہ محبت پیدا کرتی ہے، جبکہ سختی انسان کو دین سے دور کر سکتی ہے۔ نفسیاتی اعتبار سے بھی نرمی انسان کے اندر دفاعی ردعمل (defensive reaction) کو کم کرتی ہے، جبکہ سختی انسان کو ضد، ردعمل اور انتہاپسندی کی طرف لے جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیرت النبی ﷺ میں نرمی کو اصلاح کا بنیادی ذریعہ بنایا گیا۔

.4نوجوانوں کی اصلاح میں نرمی کا کردار

نوجوانی جذبات، جوش اور نفسیاتی حساسیت کا دور ہوتا ہے۔ اگر اس مرحلے پر سختی، تحقیر یا جبر اختیار کیا جائے تو نوجوان یا تو بغاوت کی طرف مائل ہو جاتا ہے یا شدت پسندی کا شکار ہو جاتا ہے۔ سیرت النبی ﷺ نے اس مسئلے کا حل نرمی، محبت اور تدریجی تربیت کے ذریعے پیش کیا۔ اس کی ایک عظیم مثال وہ نوجوان ہے جس نے زنا کی اجازت طلب کی۔ صحابہؓ کے برعکس رسول اللہ ﷺ نے غصے کے بجائے شفقت، مکالمے اور نفسیاتی حکمت کے ذریعے اس کی اصلاح فرمائی۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ نبوی منہج نوجوان کو دبانے کے بجائے اس کی سوچ کو بدلنے پر یقین رکھتا ہے۔

اللَّهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهُ، وَطَهِّرْ قَلْبَهُ، وَحَصِّنْ فَرْجَهُ[30]

"اے اللہ! اس کے گناہ بخش دے، اس کے دل کو پاک کر دے، اور اس کی عفت کی حفاظت فرما۔"

.5 شدت پسندی کے خاتمے میں نرمی اور تدریج کی اہمیت

شدت پسندی اکثر اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اصلاح کے عمل میں حکمت، نرمی اور تدریج کو چھوڑ دیا جائے۔ جب دین کو محض سخت احکامات، جذباتی نعروں اور فوری تبدیلی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے تو نوجوان توازن کھو بیٹھتا ہے۔ سیرت النبی ﷺ اس کے برعکس ایک ایسا ماڈل پیش کرتی ہے جو انسان کو آہستہ آہستہ فکری پختگی، اخلاقی توازن اور روحانی استحکام کی طرف لے جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبوی تربیت نے ایک جاہلی معاشرے کو چند برسوں میں ایک متوازن اور مہذب امت میں تبدیل کر دیا۔ سیرت النبی ﷺ میں نرمی اور تدریجی اصلاح ایک بنیادی تربیتی اصول کی حیثیت رکھتے ہیں، جو انسانی نفسیات، فکری استعداد اور معاشرتی حالات کے عین مطابق ہیں۔ یہ اصول نہ صرف فرد کی اصلاح کو مؤثر اور پائیدار بناتے ہیں بلکہ معاشرے کو شدت پسندی، عدم برداشت اور فکری انتہاپسندی سے بھی محفوظ رکھتے ہیں۔ موجودہ دور میں جب نوجوان نسل جذباتی شدت اور فکری انتشار کا شکار ہے، تو سیرت النبی ﷺ کا یہی نرم، حکیمانہ اور تدریجی تربیتی ماڈل ایک مؤثر اور دیرپا حل فراہم کرتا ہے۔

.5 مکالمہ اور دلیل پر مبنی دعوت

سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ اس حقیقت کو نہایت وضاحت کے ساتھ آشکار کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت، اصلاح اور تربیت کا بنیادی منہج جبر، شدت، فکری دباؤ اور تصادم کے بجائے "مکالمہ"، "دلیل"، "حکمت" اور "اقناع" پر قائم تھا۔ آپ ﷺ نے انسانی ذہن کو مسخر کرنے کے لیے طاقت کے بجائے فکر کو، اور انسان کے ظاہر کو بدلنے کے بجائے اس کے شعور اور قلب کو مخاطب کرنے کا اسلوب اختیار فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ نبوی دعوت محض احکامات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک ایسا فکری، اخلاقی اور نفسیاتی انقلاب تھی جس نے انسان کے باطن، اس کی سوچ، اس کے رویوں اور اس کے سماجی تعلقات کو تبدیل کر دیا۔ اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے، اس لیے اس کی دعوت بھی انسانی عقل، شعور اور نفسیات سے ہم آہنگ ہے۔ قرآنِ مجید بار بار انسان کو غور و فکر، تدبر، تعقل اور استدلال کی دعوت دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی دعوت کی بنیاد اندھی تقلید یا جبر پر نہیں بلکہ دلیل، حکمت اور فکری اقناع پر رکھی گئی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ" [31]

ترجمہ: "اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دیجیے، اور لوگوں سے ایسے انداز میں گفتگو کیجیے جو بہترین ہو۔"

یہ آیتِ مبارکہ دراصل نبوی دعوتی منہج کا جامع خلاصہ ہے، جس میں دعوت کے تین بنیادی اصول بیان کیے گئے ہیں: حکمت، حسنِ نصیحت اور بہترین اندازِ مکالمہ۔ ان اصولوں سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام انسان کو دباؤ، خوف یا طاقت کے ذریعے بدلنے کے بجائے اس کی عقل و شعور کو بیدار کرنا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیرت النبی ﷺ میں اختلاف کے باوجود احترام، تنوع کے باوجود برداشت، اور مخالفت کے باوجود مکالمہ موجود نظر آتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی پوری حیاتِ مبارکہ میں مخالفین، مشرکین، اہلِ کتاب، منافقین، قبائلِ عرب، نوجوانوں اور عام افراد کے ساتھ ایسا اسلوب اختیار فرمایا جس میں نرم گفتاری، دلائل، فکری وسعت، تحمل اور حکمت نمایاں تھی۔ آپ ﷺ نے کبھی دعوت کو اشتعال، تحقیر یا جبر کے ذریعے آگے بڑھانے کی کوشش نہیں فرمائی بلکہ ہمیشہ انسان کے باطن تک رسائی حاصل کرنے کو ترجیح دی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کے شدید مخالفین بھی آپ ﷺ کے اخلاق، حکمت اور طرزِ گفتگو سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ نفسیاتی اعتبار سے بھی "مکالمہ" انسانی اصلاح کا ایک مؤثر ترین ذریعہ ہے، کیونکہ انسان اس وقت زیادہ متاثر ہوتا ہے جب اس کے ساتھ عزت، احترام اور خیر خواہی کے ساتھ گفتگو کی جائے۔ اس کے برعکس سختی، تحقیر اور جبر انسان کے اندر ضد، ردعمل اور نفرت پیدا کرتے ہیں۔ سیرت النبی ﷺ اسی نفسیاتی حقیقت کی عملی تفسیر ہے، جہاں آپ ﷺ نے انسان کے جذبات، ذہنی کیفیت اور فکری سطح کو مدنظر رکھتے ہوئے گفتگو فرمائی۔ معاصر دنیا میں جب شدت پسندی، فکری انتہاپسندی، عدم برداشت اور تشدد کے رجحانات تیزی سے فروغ پا رہے ہیں، تو سیرت النبی ﷺ کا "مکالمہ اور دلیل" پر مبنی منہج غیر معمولی اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔ شدت پسند ذہنیت عموماً اختلافِ رائے کو برداشت نہیں کرتی، مکالمے کے دروازے بند کر دیتی ہے اور اپنی فکر کو طاقت کے ذریعے نافذ کرنے کی کوشش کرتی ہے، جبکہ نبوی منہج اس کے برعکس انسان کو سننے، سمجھنے، دلیل سے قائل کرنے اور اختلاف کے باوجود احترام قائم رکھنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اسی طرح موجودہ دور میں نوجوان نسل فکری انتشار، جذباتی بیانیوں، سوشل میڈیا کے غیر متوازن اثرات اور شناختی بحران کا شکار ہے۔ ایسے ماحول میں اگر ان کے ساتھ سختی، تحقیر یا جبر کا رویہ اختیار کیا جائے تو وہ مزید ردعمل اور انتہاپسندی کی طرف مائل ہو سکتے ہیں، جبکہ سیرت النبی ﷺ کا حکیمانہ اسلوب نوجوان کو اعتماد، مکالمے، دلیل اور فکری رہنمائی کے ذریعے اعتدال اور توازن کی طرف لے جاتا ہے۔ علمی اور تہذیبی اعتبار سے بھی مکالمہ ایک مہذب معاشرے کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ جن معاشروں میں گفتگو، برداشت اور اختلاف کے آداب موجود ہوں وہاں فکری ارتقا، علمی ترقی اور سماجی استحکام پیدا ہوتا ہے، جبکہ جہاں جبر، شدت اور فکری تنگ نظری غالب آ جائے وہاں تصادم، انتشار اور فکری جمود جنم لیتا ہے۔ سیرت النبی ﷺ اسی مہذب اور متوازن معاشرتی ماڈل کی بنیاد فراہم کرتی ہے، جس میں اختلاف کو دشمنی نہیں بلکہ فکری تنوع

کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ لہٰذا مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ "مکالمہ اور دلیل پر مبنی دعوت" سیرت النبی ﷺ کے تربیتی، فکری اور اصلاحی منہج کا ایک بنیادی ستون ہے، جو انسان کو شدت، جبر اور تصادم کے بجائے حکمت، دلیل، برداشت اور فکری توازن کی طرف لے جاتا ہے۔ یہی وہ اصول ہے جو موجودہ دور میں شدت پسندی، عدم برداشت اور فکری انتہاپسندی کے خاتمے کے لیے ایک جامع، مؤثر اور دیرپا حل فراہم کرتا ہے۔

.1 پرامن گفتگو کی اہمیت

سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ اس حقیقت کو نمایاں کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت، اصلاح اور تربیت کا بنیادی اسلوب "پرامن گفتگو" پر قائم تھا۔ آپ ﷺ نے انسانی فکر، جذبات اور نفسیات کو سمجھتے ہوئے ایسا دعوتی اور تربیتی انداز اختیار فرمایا جس میں سختی، تحقیر، اشتعال اور جبر کے بجائے نرمی، احترام، حکمت اور اخلاقی وقار کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی گفتگو محض الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ انسان کے قلب و ذہن کو متاثر کرنے والی ایک مؤثر نفسیاتی اور روحانی قوت بن جاتی تھی۔ اسلام انسان کو صرف ظاہری اطاعت کی طرف نہیں بلاتا بلکہ اس کے شعور، فکر اور قلب کو قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید نے دعوت کے عمل میں نرم اور مہذب گفتگو کو بنیادی اصول قرار دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ" [32]

ترجمہ: "اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دیجیے، اور لوگوں سے ایسے انداز میں گفتگو کیجیے جو بہترین ہو۔"

یہ آیت اس حقیقت کی واضح دلیل ہے کہ اسلام میں مکالمہ اور گفتگو کا مقصد صرف مخالف کو شکست دینا نہیں بلکہ اس کے دل تک رسائی حاصل کرنا اور اسے حکمت کے ذریعے حق کے قریب لانا ہے۔ "بالتی ھی اَحسن" کا اسلوب اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اختلاف کی صورت میں بھی گفتگو مہذب، نرم اور اخلاقی حدود کے اندر رہونی چاہیے۔

پرامن گفتگو: ایک نفسیاتی اور تربیتی حکمت

نفسیاتی اعتبار سے انسان اس وقت زیادہ متاثر ہوتا ہے جب اس کے ساتھ عزت، احترام اور خیر خواہی کے ساتھ گفتگو کی جائے۔ سختی، تحقیر اور جارحانہ لہجہ انسان کے اندر دفاعی کیفیت (Defensive Psychology) پیدا کرتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ ضد، رد عمل اور انکار کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس نرم گفتگو انسان کے ذہن کو کھولتی، اس کے دل میں اعتماد پیدا کرتی اور اسے غور و فکر پر آمادہ کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ انسانی

نفسیات کے اس اصول کو نہایت گہرائی سے سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی لوگوں کی اصلاح تحقیر، طنز یا اشتعال کے ذریعے نہیں فرمائی بلکہ ان کے احساسات، ذہنی کیفیت اور جذباتی سطح کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کے ساتھ گفتگو فرمائی۔ متعدد روایات اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ آپ ﷺ کی گفتگو نہایت متوازن، نرم اور دلنشین ہوتی تھی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

"رسول اللہ ﷺ سخت گو اور بدزبان نہ تھے۔"[33]

یہ محض ایک اخلاقی وصف نہیں بلکہ ایک مکمل دعوتی حکمتِ عملی تھی، جس نے سخت دل لوگوں کو بھی نرم کر دیا۔ قرآنِ مجید میں نرم گفتگو کی اہمیت کو اس وقت مزید نمایاں کیا گیا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو فرعون جیسے جابر اور متکبر حکمران کے پاس بھیجتے ہوئے فرمایا:

فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا"

"اس سے نرمی کے ساتھ گفتگو کرنا۔"

یہ آیت اسلامی دعوت کے مزاج کو پوری طرح واضح کرتی ہے۔ اگر ایک ظالم اور سرکش حکمران کے ساتھ بھی نرم گفتگو کا حکم دیا گیا تو عام انسانوں کے ساتھ سختی، تحقیر اور اشتعال انگیزی کس طرح جائز ہو سکتی ہے؟ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اسلام کا اصل اسلوب دلیل، حکمت اور نرم گفتاری ہے، نہ کہ تشدد اور اشتعال۔ سیرت النبی ﷺ میں پرامن گفتگو کی عملی مثالیں رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی پرامن مکالمے اور نرم گفتگو کی عظیم مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔ مکہ مکرمہ میں شدید مخالفت، طعن و تشنیع اور جسمانی اذیتوں کے باوجود آپ ﷺ نے کبھی گالی، بدزبانی یا اشتعال انگیز اسلوب اختیار نہیں فرمایا۔ آپ ﷺ کے مخالفین آپ ﷺ کو جھٹلاتے، مذاق اڑاتے اور تکلیف پہنچاتے، لیکن آپ ﷺ ہمیشہ صبر، تحمل اور حکمت کے ساتھ گفتگو فرماتے۔

اعرابی کا مسجد میں پیشاب کرنا: نبوی حکمت کی مثال

ایک اعرابی مسجد میں پیشاب کرنے لگا۔ صحابہؓ غصے میں آ گئے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے انہیں روک دیا اور فرمایا:

"اسے چھوڑ دو، اور اس کے پیشاب پر پانی بہا دو۔"[34]

اس کے بعد آپ ﷺ نے نرمی سے اس شخص کو مسجد کے آداب سمجھائے۔ اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوی منہج کا مقصد انسان کو شرمندہ کرنا نہیں بلکہ اس کی اصلاح کرنا تھا۔ یہی حکمت شدت پسندی کی ضد ہے، کیونکہ شدت پسندانہ فکر عموماً سختی اور تحقیر کو اصلاح سمجھتی ہے۔

6.نوجوانوں کی اصلاح میں نبوی حکمت

سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ اس حقیقت کو نہایت واضح انداز میں نمایاں کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انسانی معاشرے کے ہر طبقے کی اصلاح و تربیت پر خصوصی توجہ دی، لیکن نوجوان نسل آپ ﷺ کی تربیتی حکمتِ عملی کا ایک نہایت اہم اور مرکزی محور تھی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ نوجوان کسی بھی قوم کی فکری توانائی، عملی قوت، تہذیبی تسلسل اور مستقبل کے معمار ہوتے ہیں۔ ان کی فکری سمت، اخلاقی تربیت اور نفسیاتی تشکیل ہی درحقیقت کسی معاشرے کے مستقبل کا تعین کرتی ہے۔ اگر نوجوان نسل اعتدال، علم، حکمت، اخلاق اور فکری پختگی سے آراستہ ہو تو معاشرہ امن، استحکام اور ترقی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے، لیکن اگر یہی طبقہ فکری انتشار، جذباتی شدت، انتہاپسندی اور عدم توازن کا شکار ہو جائے تو پورا معاشرہ فکری بحران، سماجی تصادم اور تہذیبی انتشار کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے نوجوانوں کی تربیت کو محض نصیحت یا رسمی تعلیم تک محدود نہیں رکھا بلکہ ان کی ذہنی، روحانی، اخلاقی، نفسیاتی اور سماجی تعمیر کے لیے ایک ایسا جامع تربیتی منہج پیش فرمایا جو انسانی فطرت، عمر کے تقاضوں اور نفسیاتی ضروریات سے مکمل طور پر ہم آہنگ تھا۔ آپ ﷺ نے نوجوانوں کے جذبات، احساسات، صلاحیتوں، کمزوریوں اور نفسیاتی کیفیات کو سمجھتے ہوئے ان کے ساتھ ایسا حکیمانہ، متوازن اور شفقت آمیز طرزِ عمل اختیار فرمایا جس نے انہیں فکری طور پر بالغ، اخلاقی طور پر مضبوط اور عملی طور پر ذمہ دار شخصیات میں تبدیل کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ نبوی تربیت کے زیرِ اثر نوجوان صحابہؓ نہ صرف عبادت و اخلاق میں ممتاز ہوئے بلکہ علم، قیادت، حکمت، عدل، شجاعت اور فکری توازن میں بھی مثالی مقام حاصل کر گئے۔ قرآنِ مجید بھی نوجوان نسل کی اصلاح و تربیت کو غیر معمولی اہمیت دیتا ہے۔ قرآن میں حضرت ابراہیمؑ، حضرت یوسفؑ، اصحابِ کہف اور دیگر نوجوان شخصیات کا ذکر اس انداز میں کیا گیا ہے کہ ان کی فکری استقامت، اخلاقی پختگی اور ایمانی بصیرت نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے۔ خصوصاً اصحابِ کہف کے بارے میں فرمایا گیا:

إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى" [35]

ترجمہ: "وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے، اور ہم نے ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیا۔"

یہ آیت اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ نوجوانی وہ مرحلہ ہے جس میں اگر صحیح فکری و تربیتی رہنمائی میسر آ جائے تو انسان عظیم کردار، بلند فکر اور مضبوط ایمان کا حامل بن سکتا ہے۔ سیرت النبی ﷺ میں نوجوانوں کی تربیت کا انداز نہایت منفرد اور متوازن تھا۔ آپ ﷺ نے نوجوانوں کو محض احکامات کا پابند بنانے کے بجائے ان کے اندر شعور، خود اعتمادی، احساسِ ذمہ داری اور مثبت مقصدیت پیدا کی۔ آپ ﷺ نے ان کی شخصیت کو دبانے یا ان کے

جذبات کو کچلنے کے بجائے ان کی توانائیوں کو تعمیری رخ عطا فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت انس بن مالکؓ جیسے نوجوان صحابہؓ کم عمری ہی میں علمی، فکری اور عملی اعتبار سے عظیم شخصیات بن کر ابھرے۔ نفسیاتی اعتبار سے نوجوانی انسانی زندگی کا نہایت حساس مرحلہ ہے۔ اس عمر میں انسان اپنی شناخت، فکر، جذباتی توازن اور سماجی مقام کی تلاش میں ہوتا ہے۔ اگر اس مرحلے پر نوجوان کو درست رہنمائی، مثبت ماحول اور فکری اعتدال میسر نہ آئے تو وہ جذباتی شدت، شناختی بحران، فکری انتہاپسندی اور ردِ عملی رویوں کا شکار ہو سکتا ہے۔ موجودہ دور میں نوجوان نسل مختلف فکری، سماجی، معاشی اور نفسیاتی دباؤ کا سامنا کر رہی ہے۔ سوشل میڈیا، فکری انتشار، مذہبی و سیاسی جذباتیت، احساسِ محرومی، بے مقصدیت اور شناختی بحران جیسے عوامل نوجوانوں کو شدت پسندی کی طرف مائل کرنے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ شدت پسند تنظیمیں اور انتہاپسند بیانیے عموماً نوجوانوں کے جذبات، احساسات اور نفسیاتی کمزوریوں کو استعمال کرتے ہیں۔ وہ نوجوانوں کو جذباتی نعروں، یک رخی تعبیرات اور فوری ردِ عمل پر مبنی سوچ کے ذریعے متاثر کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں نوجوان تدبر، اعتدال اور فکری وسعت سے دور ہو جاتا ہے۔ اس صورتحال میں سیرت النبی ﷺ کا تربیتی منہج غیر معمولی اہمیت اختیار کر جاتا ہے، کیونکہ نبوی حکمت نوجوان کو جبر، تحقیر اور سختی کے ذریعے نہیں بلکہ محبت، اعتماد، مکالمہ، تدریج اور اخلاقی تربیت کے ذریعے متوازن شخصیت عطا کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے نوجوانوں کی اصلاح میں ان کی نفسیات، عمر، ذہنی استعداد اور جذباتی کیفیت کو ہمیشہ مد نظر رکھا۔ آپ ﷺ نوجوانوں کو احساسِ اہمیت دیتے، ان سے مشورہ فرماتے، ان پر اعتماد کرتے اور ان کی صلاحیتوں کو مثبت رخ عطا فرماتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ نوجوان صحابہؓ کے اندر احساسِ کمتری یا بے مقصدیت پیدا نہیں ہوئی بلکہ وہ خود کو امت کی تعمیر اور دین کی خدمت کا اہم حصہ سمجھتے تھے۔ یہ دعا اس حقیقت کی علامت ہے کہ نبوی تربیت نوجوان کی فکری و علمی نشوونما کو کتنی اہمیت دیتی تھی۔ اسی طرح حضرت اسامہ بن زیدؓ کو کم عمری میں لشکر کا سپہ سالار مقرر کرنا اس بات کی عظیم مثال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نوجوانوں پر اعتماد فرماتے اور ان کی قیادی صلاحیتوں کو پروان چڑھاتے تھے۔ یہ طرزِ عمل نوجوان کے اندر اعتماد، احساسِ ذمہ داری اور مثبت خود شناسی پیدا کرتا ہے، جبکہ تحقیر، جبر اور مسلسل تنقید نوجوان کو یا تو احساسِ کمتری میں مبتلا کر دیتی ہے یا شدت پسندانہ ردِ عمل کی طرف دھکیل دیتی ہے۔ معاصر دنیا میں جب نوجوان نسل فکری انتشار، مذہبی شدت پسندی، ثقافتی تصادم اور ذہنی اضطراب کا شکار ہے، تو سیرت النبی ﷺ کا تربیتی منہج ایک متوازن، معتدل اور جامع حل فراہم کرتا ہے۔ یہ منہج نوجوان کے ذہن کو وسعت، اس کے جذبات کو توازن، اس کی فکر کو حکمت اور اس کی شخصیت کو مقصدیت عطا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبوی تربیت صرف مذہبی اصلاح نہیں بلکہ ایک

مکمل فکری، نفسیاتی، اخلاقی اور سماجی تعمیر کا نظام ہے۔ لہٰذا مجموعی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ "نوجوانوں کی اصلاح میں نبوی حکمت" سیرت النبی ﷺ کے تربیتی منہج کا ایک نہایت جامع، متوازن اور مؤثر پہلو ہے، جو نوجوان نسل کو شدت، جذباتی انتہاپسندی اور فکری انتشار سے نکال کر اعتدال، حکمت، اخلاق اور مثبت مقصدیت کی طرف لے جاتا ہے۔ یہی نبوی ماڈل موجودہ دور میں شدت پسندی کے بڑھتے ہوئے رجحانات کے تدارک کے لیے ایک مؤثر، دیرپا اور فکری طور پر مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔

.1نوجوانوں کی نفسیات کا خیال

سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ اس حقیقت کو نمایاں کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نوجوانوں کی تربیت میں محض ظاہری اعمال یا رسمی ہدایات پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ ان کی نفسیات، جذبات، ذہنی ساخت، عمر کے تقاضوں اور داخلی کیفیات کو گہرائی کے ساتھ ملحوظ رکھا۔ نبوی تربیت کا یہ امتیاز ہے کہ اس میں انسان کی فطری کمزوریوں، جذباتی ضروریات اور ذہنی ارتقا کو نظر انداز نہیں کیا گیا بلکہ انہی کو بنیاد بنا کر شخصیت سازی کا عمل انجام دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تربیت نوجوانوں کے ظاہر کے بجائے ان کے باطن، شعور اور احساسات پر اثر انداز ہوئی اور انہوں نے ایسے متوازن انسان تیار کیے جو عبادت، علم، قیادت، تحمل، حکمت اور فکری اعتدال کا حسین امتزاج تھے۔ قرآنِ مجید میں انسانی نفسیات کی رعایت اور تدریجی تربیت کا اصول بار بار نمایاں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ ۚ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ" [36]

ترجمہ: "اور جان لو کہ تم میں اللہ کے رسول موجود ہیں، اگر وہ بہت سے معاملات میں تمہاری بات مان لیں تو تم مشقت میں پڑ جاؤ۔"

اس آیت میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ نبوی تربیت انسانی مزاج، نفسیاتی استعداد اور مصلحتِ تربیت کے مطابق ہوتی تھی، نہ کہ صرف جذباتی خواہشات کے مطابق۔ رسول اللہ ﷺ نوجوانوں کے جذبات کو سمجھتے ضرور تھے، لیکن انہیں حکمت کے ساتھ متوازن رخ بھی عطا فرماتے تھے۔

نبوی تربیت اور نوجوانی کا نفسیاتی مرحلہ

نفسیات کے ماہرین کے مطابق نوجوانی انسانی زندگی کا وہ مرحلہ ہے جس میں شخصیت کی تشکیل، شناخت کی تلاش، جذباتی شدت، خود اعتمادی کی تعمیر اور فکری رجحانات کی بنیاد رکھی جارہی ہوتی ہے۔ یہی وہ دور ہے جس میں انسان سب سے زیادہ متاثر بھی ہوتا ہے اور سب سے زیادہ توانائی بھی رکھتا ہے۔ اگر اس مرحلے میں نوجوان کو صحیح

رہنمائی، محبت، اعتماد اور فکری توازن نہ ملے تو وہ شدت پسندانہ نظریات، جذباتی بیانیوں اور ردعملی رویوں کی طرف مائل ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے نوجوانوں کی اسی نفسیاتی حساسیت کو سمجھتے ہوئے ان کے ساتھ ایسا اسلوب اختیار فرمایا جس میں شفقت، قربت، اعتماد، تدریج اور ذہنی ہم آہنگی نمایاں تھی۔ آپ ﷺ نوجوانوں کو محض احکامات نہیں دیتے تھے بلکہ ان کے دلوں تک رسائی حاصل کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ: فکری استعداد کی نفسیاتی تربیت

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کم عمری میں رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے۔ عام معاشرتی مزاج کے مطابق کم عمر افراد کو علمی مجالس میں کم اہمیت دی جاتی تھی، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کی ذہانت اور نفسیاتی استعداد کو پہچانا۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی:

"اللَّهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَعَلِّمْهُ التَّأْوِيلَ" [37]

ترجمہ: "اے اللہ! اسے دین کی گہری سمجھ اور قرآن کی تاویل کا علم عطا فرما۔"

یہ دعا صرف روحانی برکت نہیں بلکہ نوجوان کی ذہنی صلاحیت پر اعتماد کا اظہار بھی تھی۔ نفسیاتی اعتبار سے جب نوجوان پر اعتماد کیا جائے اور اس کی فکری استعداد کو تسلیم کیا جائے تو اس کے اندر علمی خوداعتمادی اور مثبت شناخت پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ بعد میں "حبر الامۃ" اور "ترجمان القرآن" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ یہ روایت نبوی نفسیاتی حکمت کی عظیم مثال ہے۔ نوجوان غلطیوں سے سیکھتا ہے، اور اگر ہر وقت اس پر تنقید، تحقیر اور سختی کی جائے تو اس کے اندر خوف، احساسِ کمتری اور ردعمل پیدا ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے نوجوانوں کی غلطیوں کو ان کی شخصیت کی مستقل شناخت نہیں بنایا بلکہ انہیں اعتماد اور محبت کے ذریعے سنوارا۔

شدت پسندی اور نوجوانوں کا شناختی بحران

معاصر دنیا میں نوجوان اکثر شناختی بحران کا شکار ہیں۔ وہ یہ طے نہیں کر پاتے کہ ان کی اصل فکری، دینی اور سماجی شناخت کیا ہے۔ شدت پسند گروہ اسی خلا سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور نوجوان کو جذباتی وابستگی، فوری مقصدیت اور سخت گیر شناخت فراہم کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے نوجوانوں کو اس بحران سے نکالنے کے لیے انہیں مثبت شناخت عطا کی۔ آپ ﷺ نے نوجوانوں کو "خیرِ امت"، "داعی"، "علم کے وارث" اور "عدل و رحمت کے نمائندے" کے طور پر تیار کیا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ کی نوجوان نسل تخریب کے بجائے تعمیر کی علامت بنی۔ "نوجوانوں کی نفسیات کا خیال" سیرت النبی ﷺ کے تربیتی منہج کا ایک نہایت عمیق، متوازن اور مؤثر اصول ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے نوجوانوں کے جذبات، ذہنی ساخت، احساسات، نفسیاتی ضروریات اور فکری استعداد کو

سمجھتے ہوئے ان کی ایسی تربیت فرمائی جس نے انہیں اعتدال، اعتماد، حکمت، علم اور مثبت مقصدیت عطا کی۔ نبوی منہج نوجوان کو دبانے کے بجائے اسے سمجھنے، سننے، اعتماد دینے اور تدریجی اصلاح کے ذریعے ایک متوازن شخصیت بنانے کا نام ہے۔ موجودہ دور میں جب نوجوان نسل شدت پسندی، جذباتی انتہاپسندی اور شناختی بحران کا شکار ہے، تو سیرت النبی ﷺ کا یہی نفسیاتی و تربیتی ماڈل ایک جامع، دیرپا اور فکری طور پر مضبوط حل فراہم کرتا ہے۔

.2 مثبت رہنمائی اور تربیت

سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ اس حقیقت کو نہایت وضاحت کے ساتھ نمایاں کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نوجوانوں کی اصلاح و تربیت میں محض منفی رویوں سے روکنے یا ظاہری نظم و ضبط پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ ان کی شخصیت کو مثبت، متوازن، باوقار اور تعمیری خطوط پر استوار کرنے کے لیے ایک جامع تربیتی نظام عطا فرمایا۔ نبوی تربیت کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں نوجوان کو صرف "خطاکار" یا "کمزور" انسان کے طور پر نہیں دیکھا گیا بلکہ اسے امت کی امید، معاشرے کی قوت، مستقبل کی قیادت اور دین کی امانت تصور کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نوجوانوں کی ذہنی، روحانی، اخلاقی، علمی اور عملی صلاحیتوں کو بیدار کرنے کے لیے ایسا حکیمانہ اور نفسیاتی اسلوب اختیار فرمایا جس نے ایک منتشر اور جذباتی نسل کو علم، کردار، اعتدال، قیادت اور فکری پختگی کی علامت بنا دیا۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نوجوانوں کی مثبت تربیت اور کردار سازی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى" [38]

ترجمہ: "وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے، اور ہم نے ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیا۔"

یہ آیت اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ نوجوان اگر صحیح فکری اور روحانی رہنمائی حاصل کر لیں تو وہ معاشرے کی سب سے بڑی اصلاحی قوت بن سکتے ہیں۔ سیرت النبی ﷺ اسی قرآنی اصول کی عملی تفسیر ہے، جہاں رسول اللہ ﷺ نے نوجوانوں کی توانائیوں کو بے مقصد نہیں چھوڑا بلکہ انہیں ایمان، علم، خدمت، حکمت اور دعوت کے عظیم مقاصد سے وابستہ فرمایا۔

نبوی تربیت: منفی روک تھام کے بجائے تعمیری تشکیل

رسول اللہ ﷺ کا تربیتی منہج صرف گناہوں سے روکنے یا ظاہری نظم قائم کرنے تک محدود نہیں تھا بلکہ آپ ﷺ نوجوانوں کے اندر ایک ایسی مثبت شخصیت تشکیل دیتے تھے جو خود خیر، حکمت اور اعتدال کا سرچشمہ بن جائے۔ آپ ﷺ جانتے تھے کہ نوجوان کی فطرت میں جوش، حرکت، جذبہ، خواب اور طاقت موجود ہوتی ہے۔ اگر ان جذبات کو صحیح سمت نہ دی جائے تو یہی توانائی شدت پسندی، بے راہ روی، غصے یا فکری انتشار کی شکل اختیار کر

سکتی ہے، لیکن اگر انہیں ایمان، علم، اخلاق اور مقصدیت سے جوڑ دیا جائے تو یہی نوجوان امت کے معمار بن جاتے ہیں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے نوجوانوں کو ہمیشہ "تعمیری کردار" دیا۔ آپ ﷺ انہیں معاشرے سے کاٹنے کے بجائے معاشرے کی اصلاح کا ذریعہ بناتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ نبوی تربیت کے زیرِ اثر نوجوان صحابہؓ نے نہ صرف روحانی عظمت حاصل کی بلکہ علمی، سیاسی، انتظامی اور سماجی میدانوں میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔

حضرت علیؓ: بچپن سے فکری وروحانی تربیت

حضرت علیؓ ان اولین نوجوانوں میں شامل تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی تربیت صرف ایک تابع فرد کے طور پر نہیں کی بلکہ ان کے اندر شجاعت، حکمت، علم اور عدل جیسی صفات پیدا فرمائیں۔ بچپن سے آپ ﷺ کی قربت نے ان کی شخصیت کو متوازن بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ بعد میں حضرت علیؓ علمی گہرائی، فکری اعتدال اور اخلاقی بصیرت کی علامت بن گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"أَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا" [39]

ترجمہ: "میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔"

یہ روایت اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ نبوی تربیت نوجوان کے اندر صرف جذباتی وابستگی نہیں بلکہ علمی وفکری پختگی بھی پیدا کرتی تھی۔

7. معاشرتی ہم آہنگی اور امن کا قیام

سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ اس حقیقت کو پوری وضاحت کے ساتھ آشکار کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت اور تربیت کا مقصد صرف انفرادی اصلاح یا چند مذہبی رسومات کی تعلیم نہیں تھا بلکہ ایک ایسا متوازن، پُرامن، منصفانہ اور ہم آہنگ معاشرہ تشکیل دینا تھا جہاں انسان رنگ، نسل، قبیلہ، زبان، معاشرتی حیثیت اور مذہبی اختلاف کے باوجود باہمی احترام، عدل، رواداری اور خیر خواہی کے اصولوں کے تحت زندگی گزار سکے۔ یہی وجہ ہے کہ نبوی تربیت میں جہاں فرد کی روحانی واخلاقی اصلاح کو اہمیت دی گئی، وہاں اجتماعی نظم، سماجی امن، باہمی تعلقات، انسانی احترام اور معاشرتی وحدت کو بھی بنیادی حیثیت حاصل رہی۔ سیرت النبی ﷺ دراصل ایک ایسے جامع سماجی ماڈل کی عملی تفسیر ہے جس میں معاشرتی ہم آہنگی (Social Harmony)، انسانی اخوت (Human Brotherhood)، بین المذاہب رواداری (Interfaith Tolerance)، اجتماعی عدل (Collective Justice) اور امنِ عامہ (Public Peace) کو انسانی معاشرے کی بنیاد قرار دیا گیا۔ یہ حقیقت تاریخی طور پر مسلمہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت ایسے معاشرے میں ہوئی جو شدید قبائلی تعصبات، نسلی تفاخر، مذہبی انتشار،

معاشرتی ظلم، انتقامی جذبات اور مسلسل خانہ جنگیوں کا شکار تھا۔ عرب معاشرے میں قبیلہ ہی انسان کی شناخت، طاقت اور بقا کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ معمولی تنازعات نسلوں تک جنگوں میں تبدیل ہو جاتے تھے، جیسا کہ حربِ بعاث اور داحس وغبراء جیسی طویل جنگیں اس کی واضح مثال ہیں۔ اس ماحول میں طاقت کو حق اور کمزور کو محکوم تصور کیا جاتا تھا۔ برداشت، مکالمہ، رواداری اور اجتماعی امن جیسے تصورات تقریباً ناپید تھے۔ ایسے انتشار زدہ ماحول میں رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف ایک نئی فکری اور روحانی انقلاب کی بنیاد رکھی بلکہ ایک ایسا معاشرتی نظام بھی قائم فرمایا جس نے متحارب قبائل، مختلف طبقات، متنوع افکار اور مختلف مذاہب کے لوگوں کو ایک اجتماعی نظم اور اخلاقی وحدت میں تبدیل کر دیا۔ ہ آیت اسلامی معاشرے کے اس بنیادی اصول کو واضح کرتی ہے کہ امت کی اصل قوت اتحاد، اجتماعیت اور باہمی ربط میں ہے، نہ کہ گروہی تقسیم، تعصب اور فکری تصادم میں۔ یہ اخوت محض جذباتی نعرہ نہیں بلکہ ایک مکمل سماجی فلسفہ ہے جس کا مقصد انسانوں کے درمیان محبت، تعاون، خیر خواہی اور اجتماعی ذمہ داری کو فروغ دینا ہے۔ سیرت النبی ﷺ اسی قرآنی اصول کی عملی تعبیر ہے، جہاں رسول اللہ ﷺ نے معاشرتی ہم آہنگی کو عبادت، اخلاق اور ایمان کے ساتھ جوڑ دیا۔

نبوی معاشرہ: فکری اور سماجی انقلاب

رسول اللہ ﷺ نے معاشرتی اصلاح کا آغاز انسان کے باطن سے کیا۔ آپ ﷺ جانتے تھے کہ جب تک انسان کے دل سے تعصب، غرور، نفرت اور انتقام ختم نہیں ہو گا، اس وقت تک حقیقی سماجی امن قائم نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے آپ ﷺ نے سب سے پہلے ایمان، تقویٰ، رحم، عدل اور انسان دوستی کی تعلیم دی۔ آپ ﷺ نے عرب معاشرے کے قبائلی تفاخر کو ختم کیا۔ یہ اعلان دراصل انسانی مساوات، سماجی انصاف اور معاشرتی ہم آہنگی کا عالمی منشور تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے نسل، قبیلہ، رنگ اور معاشرتی حیثیت کے تمام مصنوعی امتیازات کو ختم کر کے انسان کو صرف اخلاق، تقویٰ اور کردار کی بنیاد پر عزت دی۔ یہی اصول شدت پسندی کے خاتمے میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ شدت پسندانہ فکر عموماً "ہم" اور "وہ" کی تقسیم پیدا کر کے نفرت اور تصادم کو فروغ دیتی ہے، جبکہ نبوی منہج انسانوں کے درمیان قربت، عدل اور اجتماعی خیر خواہی پیدا کرتا ہے۔

ریاستِ مدینہ: معاشرتی ہم آہنگی کا پہلا عملی ماڈل

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ نے جو معاشرہ قائم فرمایا وہ انسانی تاریخ میں اجتماعی ہم آہنگی اور کثیر المذہبی بقائے باہمی (Pluralistic Coexistence) کی ایک عظیم مثال ہے۔ مدینہ میں مسلمان، یہودی، مشرک قبائل اور مختلف سماجی طبقات موجود تھے۔ ان متنوع گروہوں کے درمیان مستقل کشیدگی

اور عدم اعتماد پایا جاتا تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے "میثاقِ مدینہ" کے ذریعے ایک ایسا سماجی و سیاسی معاہدہ تشکیل دیا جس میں تمام طبقات کو حقوق، مذہبی آزادی، جان و مال کے تحفظ اور اجتماعی تعاون کی ضمانت دی گئی۔

میثاقِ مدینہ کی اہم دفعات میں یہ بات شامل تھی کہ:

- تمام گروہ اجتماعی امن کے ذمہ دار ہوں گے۔
- کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔
- ہر مذہبی گروہ کو اپنے دین پر عمل کی آزادی ہو گی۔
- مدینہ ایک مشترکہ سیاسی وحدت ہو گا۔

یہ معاہدہ اس حقیقت کی واضح دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معاشرتی ماڈل جبر، انتقام اور مذہبی تعصب پر نہیں بلکہ عدل، معاہدے، رواداری اور اجتماعی ذمہ داری پر قائم تھا۔

نتائج بحث

1۔ مطالعے سے واضح ہوا کہ سیرتِ نبوی ﷺ میں شخصیت سازی کا بنیادی محور اعتدال، توازن اور میانہ روی ہے، جس کے ذریعے انسان کی فکری، روحانی، اخلاقی اور سماجی صلاحیتوں کو ہم آہنگ انداز میں پروان چڑھایا جاتا ہے۔

2۔ رسول اکرم ﷺ نے افراط و تفریط، غلو اور شدت پسندی سے اجتناب کو تربیت کا بنیادی اصول قرار دیا، جس کے نتیجے میں صحابۂ کرامؓ کی ایسی متوازن شخصیات تیار ہوئیں جو ہر میدان میں مثالی کردار کی حامل تھیں۔

3۔ "امتِ وسط" کا قرآنی تصور سیرتِ نبوی ﷺ میں عملی صورت اختیار کرتا ہے، جہاں عدل، رواداری، اعتدال اور ذمہ دارانہ طرزِ عمل کو فرد اور معاشرے کی بنیادی اقدار بنایا گیا۔

4۔ نتائج سے معلوم ہوا کہ اختلافِ رائے کے باوجود احترام، برداشت، مکالمہ اور حسنِ اخلاق کو فروغ دینا نبوی تربیت کا اہم اصول ہے، جو معاشرتی ہم آہنگی اور فکری استحکام کا مؤثر ذریعہ بنتا ہے۔

5۔ عفو و درگزر، حلم اور رحم دلی سیرتِ نبوی ﷺ کے ایسے تربیتی اوصاف ہیں جو انتقامی رویوں، نفرت اور شدت پسندی کو ختم کر کے محبت، امن اور سماجی استحکام کو فروغ دیتے ہیں۔

6۔ مطالعہ اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعوت و تربیت میں حکمت، نرمی اور تدریج کو اختیار کیا، جس سے افراد کی نفسیاتی کیفیت اور فکری استعداد کے مطابق دیرپا اور مؤثر تبدیلی پیدا ہوئی۔

7۔ نتائج سے واضح ہوا کہ نوجوانوں کی شخصیت سازی میں نبوی اسلوب جذباتی دباؤ، سختی اور جبر کے بجائے مکالمہ، خیر خواہی، شفقت اور نفسیاتی فہم پر مبنی تھا، جو عصرِ حاضر کے نوجوانوں کی تربیت کے لیے بہترین نمونہ ہے۔

8۔ سیرتِ نبوی ﷺ کا اعتدال پر مبنی تربیتی نظام فرد کو فکری انتشار، مذہبی انتہاپسندی، تعصب اور اخلاقی انحطاط سے محفوظ رکھتے ہوئے متوازن، ذمہ دار اور مؤثر شہری بناتا ہے۔

9۔ مطالعے نے واضح کیا کہ معاشرتی اصلاح کا نبوی منہج نظام کی تبدیلی سے پہلے فرد کی فکری، اخلاقی اور روحانی تعمیر پر توجہ دیتا ہے، جس کے نتیجے میں پائیدار سماجی تبدیلی ممکن ہوتی ہے۔

10۔ عصر حاضر میں تعلیمی اداروں، جامعات اور تربیتی مراکز میں سیرتِ نبوی ﷺ کے اعتدال پر مبنی تربیتی اصولوں کو نصاب، تدریسی حکمتِ عملی اور کردار سازی کے پروگراموں کا حصہ بنایا جائے تاکہ علمی بصیرت، اخلاقی استحکام اور سماجی ذمہ داری سے آراستہ متوازن نسل تیار کی جا سکے۔

حواشی

[1] القرآن:2:143۔

[2] احمد بن شعیب النسائی، امام، السنن الکبریٰ، بیروت: کتاب مناسک الحج، باب التقاط الحصیٰ، رقم الحدیث:4052۔

[3] القرآن:25:67۔

[4] ابو حامد الغزالی، امام، احیاء علوم الدین، بیروت: دار المعرفۃ، ج3، ص62۔

[5] احمد بن شعیب النسائی، امام، السنن الکبریٰ، بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، کتاب مناسک الحج، باب التقاط الحصیٰ، رقم الحدیث:4052۔

[6] محمد بن اسماعیل البخاری، امام، الصحیح البخاری، بیروت: دار الکتب العلمیہ، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، رقم الحدیث:5063۔

[7] القرآن:2:143۔

[8] عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی، تفسیر القرآن العظیم، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ج1، ص181۔

[9] محمد بن اسماعیل البخاری، امام، الصحیح البخاری، بیروت: دار الکتب العلمیہ، کتاب الایمان، باب الدین یسر، رقم الحدیث:39۔

[10] یوسف القرضاوی، الخصائص العامۃ للاسلام، قاہرہ: مکتبۃ وہبہ، ص135۔

[11] ابو حامد الغزالی، امام، احیاء علوم الدین، بیروت: دار المعرفۃ، ج3، ص62۔

[12] علی محمد محمد الصلابی، السیرۃ النبویۃ عرض وقائع وتحلیل أحداث، بیروت: دار المعرفۃ، ج1، ص298۔

[13] یوسف عبد اللہ القرضاوی، الخصائص العامۃ للاسلام، قاہرہ: مکتبۃ وہبہ، ص156۔

[14] محمد سعید رمضان البوطی، فقہ السیرۃ النبویۃ، دمشق: دار الفکر، ص78۔

[15] القرآن الکریم، 16:125

[16] القرآن الکریم، 24:22

[17] القرآن: 12:92

[18] القرآن الکریم، 16:125

[19] امام ابن القیم الجوزیہ، مدارج السالکین، بیروت، دار الکتب العلمیہ، جلد 2، صفحہ (مطلوبہ ایڈیشن کے مطابق مختلف ہو سکتا ہے)۔

[20] وسف القرضاوي، الصحوة الإسلامية بين الجحود والتطرف، ط2، الدوحة: رئاسة المحاكم الشرعية والشؤون الدينية، 1402ھ-/1982م، فصل : **أسباب التطرف**، ص 51–70.

[21] أبو الحسن علي الحسني الندوي، ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمين، بيروت: دار القلم، ص 187–205.

[22] Dr. Muhammad Hamidullah, The Life and Work of the Prophet of Islam, Paris, Société d'Edition "Les Belles Lettres", 1979, pp. 77–78.

[23] محمد بن حجاج القشیری، امام، الصحیح مسلم، بیروت، دار الکتب العلمیہ، کتاب النکاح، باب تحریم الزنا، رقم الحدیث: 1406۔

[24] محمد بن عیسیٰ الترمذی، امام، الجامع الترمذی، بیروت، دار الکتب العلمیہ، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی الرفق، رقم الحدیث: 1974

[25] القرآن الکریم، 3:159

[26] محمد بن حجاج القشیری، امام، الصحیح مسلم، بیروت، دار الکتب العلمیہ، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب فضل الرفق، رقم الحدیث: 2593۔

[27] القرآن الکریم، 2:219

[28] مصطفى السباعي، السيرة النبوية: دروس وعبر، بيروت: المكتب الإسلامي، ط8، 1405ھ-/1985م، ص 20–35، 55–75 .

[29] مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب وجوب غسل البول وغيره من النجاسات إذا حصلت في المسجد، حدیث **285** ۔

[30] أحمد بن حنبل، المسند، تحقيق شعيب الأرناؤوط، بيروت: مؤسسة الرسالة، 1421ھ-/2001م، ج36، ص 545–547، حديث رقم **22211**

[31] القرآن الکریم، 16:125

[32] القرآن الکریم، 16:125

[33] محمد بن عیسیٰ الترمذی، امام، الشمائل المحمدیہ، بیروت، دار الکتب العلمیہ، باب ماجاء فی خلق رسول اللہ ﷺ، رقم الحدیث: 365۔

[34] محمد بن إسماعیل البخاری، امام، الصحیح البخاری، بیروت، دار الکتب العلمیہ، کتاب الوضوء، باب صب الماء علی البول فی المسجد، رقم الحدیث: 220۔

[35] القرآن الکریم، 18:13

[36] القرآن الکریم، 49:7

[37]

[38] القرآن الکریم، 18:13

[39] محمد بن عیسیٰ الترمذی، امام، الجامع الترمذی، بیروت، دار الکتب العلمیہ، کتاب المناقب، باب مناقب علی بن ابی طالب، رقم الحدیث: 3723